فیض احمد فیض کا تصورِ محبوب ''نقشِ فریادی'' کے تناظر میں

ڈاکٹر گلشن طارق

Dr. Gulshan Tariq

Dean of Languages

Lahore Garrison University, Lahore

Abstract:

Faiz Ahmed Faiz holds a chief and primary status in Urdu Literature."Naqsh-e-Faryaadi", his first poetry collection, proved to set a milestone in his career as a poet, as it depicts both romantic and bitter realities of life. This essay focuses on the changes in his poetic thoughts, philosophy and ideology along with the reasons behind them. Furthermore, the focus revolves around the new look, by Faiz, to poignancy of concept and imagery of love that later became a strong tradition in Urdu poetry. The importance and status of "Naqsh-e-Faryadi" sheds light on the new image. The essay also depicts the same manifestation which is the need of present era.

جب سے اردو زبان میں شعروشاعری کا آغاز ہوا ہے۔تب سے اردو شاعری میں غزل سب سے زیادہ مقبول صنف ٹھہری ہے۔ ہندوستان میں جب اردو زبان کا آغاز ہوا اس وقت یہاں بادشاہت کا دور تھا۔شروع میں اردو نثر کا رواج نہ تھا۔صرف شاعری کے ذریعے جذبات کا اظہار کیا جاتا تھا۔اردو شاعری میں ابتدا ہی سے غزل کو نمایاں مقام حاصل رہا۔غزل بنیادی طور پر عورت سے اظہار محبت کے لیے کہی جاتی ہے۔

جب اردو زبان میں شاعری کا آغاز ہوا تب ہندوستان میں جاگیرداری سماج تھا۔اس سماج میں عورت کا کوئی مقام نہ تھا۔سماج میں اس کی حیثیت بہت ہی کم تر تھی۔اسے پاؤں کی جوتی سمجھا جاتا تھا۔خاندان میں اس کی حیثیت غلام کی سی تھی۔خاوند مرتا تو اس کے ساتھ ہی ستی ہو جاتی۔شادی بیاہ میں اس کی پسند کی مرضی کو کوئی دخل نہ تھا۔ایسے سماج میں عورت کے ساتھ پیار محبت کا کوئی تصور نہیں ہوتا۔

جہاں تک شہروں کا تعلق ہے تو یہاں بھی عورتوں کا کام مردوں کی خدمت کرنا اور بچوں کی

پرورش کرنا تھا۔حرم سرا میں سینکڑوں عورتیں بادشاہوں کا دل بہلاتی تھیں۔یہی حال امراء کی حویلیوں اور راجے مہاراجوں کے درباروں کا تھا۔عورت کو برابری کا درجہ حاصل نہ تھا۔ایسی حالت میں ایسی صورت میں عورت سے پیار و محبت جتانا ممکن نہ تھا۔

شہروں میں طوائف کا کوٹھا موجود تھا جہاں رقص و سرور کی محفلیں جمتی تھیں۔ان کوٹھوں پر شہزادے، امراء اور اہل علم و فضل دل بہلانے جاتے تھے۔طوائف کا کوٹھا ثقافتی مرکز کی حیثیت رکھتا تھا۔اور بعض امرء اپنے بچوں کو تعلیم و تربیت کے لیے ان بالا خانوں پر بھیجتے تھے اس کی بہترین مثال مرزا ہادی رسوا کا ناول ''امراؤ جان ادا'' ہے۔جو اس وقت کے لکھنو کی صحیح تصویر پیش کرتا ہے۔اس میں امراؤ جان کا کردار طوائف کے کردار کی بھرپور نمائندگی کرتا ہے۔ایسے سماج میں اگر کوئی محبوب تھا تو وہ طوائف تھی طوائف کے کوٹھے پر ہر کوئی جا سکتا ہے۔اس کے بہت سے چاہنے والے ہوتے تھے۔اس لیے بے وفائی، جفا جوئی اور تغافل تو ضروری تھا۔شعراء حضرات نے محبوب کے لیے مندرجہ بالا تمام صفات کو غزل کا جزو بنا دیا۔ہجر، بے قراری، وصل اور انتظار کا بے تحاشا استعمال کیا۔جب بہت سارے چاہنے والے ہوں گے تو رقیب بھی بہت ہوں گے۔رشک اور حسد کے جذبات بھی ضرور پیدا ہوں گے۔اس طرح غزل میں رقیب سے متعلق جذبات کا اظہار بھی کیا گیا۔اس طرح محبوب کا تصور روایتی تصور بن گیا۔ناز و ادا، بے رخی اور تغافل محبوب کی صفات ٹھہریں۔کم و بیش تمام شعراء نے اس روایت کو اختیار کیا ہے۔اس طرح محبت کے ساتھ رقیب بھی قدم قدم چلا اور ایک روایت کی حیثیت اختیار کر گیا۔جس کا ہر شاعر نے اظہار کیا۔

یہ روایتی تصور اردو شاعری کی ابتداء سے لے کر بیسویں صدی کے آغاز تک قائم رہا۔انگریز نے اپنے عہد حکومت میں ہندوستانیوں کو تعلیم دینے کا بندوبست کیا۔انھوں نے سکول، کالج اور یونیورسٹیاں قائم کیں، جن میں جدید علوم پڑھائے جانے لگے لیکن اس کے باوجود شاعری میں محبوب کا تصور روایتی ہی رہا۔اس کی وجہ یہ ہے کہ ہندوستان میں انگریز کے عہد میں بھی جاگیرداری سماج جوں کا توں قائم رہا۔لہٰذا اس سماج میں بھی عورت کی حیثیت اور مقام نہ بدلا۔

جدید علوم کی تعلیم نے دانش وروں کا ایک طبقہ پیدا کیا۔جنھوں نے وطن کی آزادی کے لیے جدوجہد شروع کی۔تب ہندوستان میں ایک نئی فکری تنظیم نے جنم لیا۔لیکن اس تحریک نے بھی ابتداء میں محبوب کے روایتی تصور پر کوئی اثر نہ ڈالا۔اس فکری تحریک میں اہم رول ترقی پسند مصنفین کی تحریک نے ادا کیا۔۱۹۳۷ء میں فیض احمد فیض امرت سر کالج میں انگریزی کے استاد تھے۔یہاں ان کی ملاقات ایم۔اے او کالج کے پرنسپل محمود الظفر اور ان کی بیگم ڈاکٹر رشید جہاں سے ہوئی۔ان دو عظیم ہستیوں کے ذریعے سے وہ ترقی پسند تحریک سے روشناس ہوئے۔

غور طلب بات یہ ہے کہ غزل کی ایک روایت جو کم و بیش ڈیڑھ سو برس قائم رہی۔جس میں

روایتی محبوب کا تصور قائم رہا۔ فیض نے کیوں اس سے انحراف کیا؟ اور وہ کون سے ایسے حالات تھے۔ جنھوں نے فیض صاحب کی شاعری کے محبوب کو ایک جیتا جاگتا ہنستا مسکراتا انسان سمجھا اور اس سے محبت کی۔ اور اس کے محبت کرنے کے حق کو تسلیم کیا۔ وہ خود محبوب کے قدموں پر گرے اور نہ ہی محبوب کو اپنے قدموں پر گرایا۔ بلکہ انھوں نے تو محبوب کے ساتھ رقیب کے حق کو بھی تسلیم کیا۔ اس کا باعث وہ نئی عالمی تحریکیں ہیں جو آزادی کی تحریک کی صورت میں، محنت کشوں کی آزادی کی تحریک، عورت اور مرد کے مساوی حقوق کی تحریک کی صورت میں دنیا میں امن قائم کرنے کی صورت میں ہر ملک کے دانشوروں کو ایک نیا مقصدِ حیات ایک نئی سمت اور ایک نئی منزل دکھا رہی تھیں۔

فیض احمد فیض اردو زبان کے پہلے شاعر ہیں جنھوں نے ان تمام تحریکوں کی اہمیت کو سمجھا اور ان میں شریک ہوئے۔ یہی وجہ ہے کہ ان کے خیالات میں وسعت آئی۔ ان کے جذبات میں پاکیزگی اور تصورات میں بلندی آئی۔ اگر وہ پاکستان کی ترقی پسند مصنفین کی تحریک، پاکستان کے مزدوروں کی تحریک، محکوم ملکوں کے عوام کی آزادی کی تحریک اور عالمی امن کی تحریک میں ایک مجاہد کی حیثیت سے شریک نہ ہوتے تو شاید وہ بھی محبوب کے روایتی تصور سے باہر نہ نکلتے۔ محمود الظفر اور ڈاکٹر رشید جہاں سے ملاقات نے ان خیالات میں وسعت پیدا کی۔

فیض صاحب نے اپنے طالب علمی کے زمانے میں شعر لکھنا شروع کر دیے تھے۔ گورنمنٹ کالج لاہور میں تعلیم کے دوران انھوں نے مشاعروں میں اپنا کلام پڑھنا شروع کر دیا اور ادبی حلقوں میں بطور شاعر اپنی پہچان کروائی۔ ان کی شاعری کا پہلا مجموعہ ''نقشِ فریادی'' ۱۹۴۱ء میں شائع ہوا۔ اس میں محبوب کا روایتی تصور موجود ہے۔ اس وقت تک انھوں نے محبوب کے روایتی تصور سے چھٹکارا نہیں پایا تھا۔ اس ضمن میں ن م راشد ''مقدمہ نقشِ فریادی'' میں رقم طراز ہیں:

> ''نقشِ فریادی ایک ایسے شاعر کی غزلوں اور نظموں کا پہلا مجموعہ ہے جو رومان اور حقیقت کے سنگم پر کھڑا ہے۔ اس کی سرشت تو اسے عشق کے ساتھ ہم آہنگ ہونے پر اکساتی ہے لیکن وہ حقیقت کے روزن میں سے زندگی کی برہنگی اور تلخی پر ایک نظر ڈال لینے کی ترغیب کو روک نہیں سکتا''۔(۱)

نقشِ فریادی کے بعد فیض نے جو بھی شاعری کی اس میں اس نے انسان کے دکھوں اور اس کی تکلیفوں کو محسوس کیا اور ان سے نجات حاصل کرنے کے لیے انھیں امید کی کرن دکھائی۔ لیکن انھوں نے شاعری کو محض اخلاق سنوارنے کا ذریعہ نہ بنایا۔ یہ بات بلا مبالغہ کہی جا سکتی ہے کہ فیض اردو کے پہلے شاعر ہیں جنھوں نے جاگیرداری نظام کی شعری روایتوں کو خیر باد کہہ دیا۔ اور محبوب کی طرف اب تک جتنی روایتیں منسوب تھیں ان کو ترک کر دیا۔ یہ رویہ ان کی شاعری میں نقشِ فریادی کے بعد خاص طور پر

نمایاں ہوا۔اس بارے میں خواجہ محمد زکریا لکھتے ہیں:

''فیض بنیادی طور پر دھیمے لہجے اور آہستگی کا شاعر ہے۔ان کے ہاں خود کلامی اور انداز ہے جو بجائے خود دھیمے پن سے عبارت ہے اس لیے وہ معروف معنوں میں شاعر انقلاب نہیں ہیں اور نہ ہی اپنے فن کی نفاستوں اور باریکیوں کی وجہ سے شاعرِ عوام بن سکتے ہیں اس کے باوجود ان کے کلام میں تاثیر ہے یہ فنی اور جمالیاتی حسن ہی ہے جس نے فیض کو اپنے ہم عصروں میں ممتاز کیا ہے اور اس میں ترقی پسند یا غیر ترقی پسند شعرا کی کوئی قید نہیں ہے۔''(۲)

فیض نے اپنی شاعری میں محبوب کی آنکھوں، اس کے رخسار، اس کے ہونٹ، رنگ اور خوشبو کا ذکر کرتا ہے۔اب وہ اپنی ذات کے خول سے باہر آجاتا ہے۔اور اپنی ذات کی بات کرنے کی بجائے عوام کے دکھوں کی بات کرتا ہے۔انسانوں کی عزت اور توقیر کا خواہاں ہے۔ناانصافیوں کا مخالف ہے۔اور افلاس کو ختم کرنا چاہتا ہے۔وہ تمام دکھی مخلوق کو اپنا محبوب بنا لیتا ہے۔اس کا وطن بھی اس کا محبوب ہے،اور پوری دنیا کے محنت کش بھی اس کے محبوب ہیں۔بقول خواجہ محمد زکریا:

''فیض نے یوم آزادی کے زیرِ عنوان چند نظمیں لکھی ہیں جن میں حصولِ آزادی کے مقاصد کو فراموش کرنے پر برسرِ اقتدار لوگوں کی مذمت کی گئی ہے لیکن مذمت کو گرجتے گونجتے الفاظ میں بیان کرنے کی بجائے شاعرانہ وسائل اظہار کے ذریعے عمدگی سے پیش کیا ہے۔''(۳)

فیض عورت کو محبت کا برابر کا حق دیتے ہیں۔وہ اس کو سربلند دیکھنا چاہتے ہیں۔فیض محسوس کرتے تھے کہ جب تک عورت کو آزادی نہیں ملتی۔برابری نہیں ملتی اور اس کو تخلیقی قوتوں کی صحیح نشوونما کے مواقع نہیں ملتے۔تب تک اس دنیا میں سب کے لیے خوشیاں اور پیار و محبت حاصل کرنا ممکن نہیں ہے۔نقش فریادی میں محبوب سے روایتی انداز میں اس کے تغافل کا ذکر کرتے ہیں:

تو ہے اور اک تغافلِ پیہم
میں ہوں اور انتظار بے انداز(۴)

مچلتی ہیں سینے میں لاکھ آرزوئیں
تڑپتی ہیں آنکھوں میں لاکھ التجائیں
تغافل کے آغوش میں سو رہے ہیں
تمھارے ستم اور میری وفائیں(۵)

''تہ نجوم'' میں محبوب کے حسن کی تعریف کچھ یوں کی ہے:

خمار خواب سے لبریز احمریں آنکھیں
سفید رخ پہ پریشان عنبریں آنکھیں(۶)

دراز قد کی لچک سے گداز پیدا ہے
ادائے ناز سے رنگ نیاز پیدا ہے(۷)

''تین منظر'' میں محبوب کی شوخیوں اور حسن کا بیان یوں کرتے ہیں:

شوخیاں مضطر نگاہِ دیدۂ سرشار میں
عشرتیں خوابیدہ رنگِ غازۂ رخسار میں
سرخ ہونٹوں پر تبسّم کی ضیائیں جس طرح
یاسمن کے پھول ڈوبے ہوں مئے گلنار میں(۸)

''اک رہگزر پر'' محبوب کے حسن کی تعریف ان الفاظ میں کرتے ہیں:

سیاہ زلفوں میں وارفتہ نکہتوں کا ہجوم
طویل راتوں کی خوابیدہ راحتوں کا ہجوم
وہ آنکھ جس کے بناؤ پہ خالق اِترائے
زبانِ شعر کو تعریف کرتے شرم آئے
وہ ہونٹ فیض سے جن کے بہار لالہ فروش
بہشت و کوثر و تسنیم و سلسبیل بدوش
گداز جسم ، قبا جس پہ سج کے ناز کرے
دراز قد جسے سروِ سہی نماز کرے(۹)

فیض کے تصورِ حسن کے بارے میں ن م راشد ''مقدمہ نقش فریادی'' میں لکھتے ہیں:

''فیض اپنے تصورات سے اپنے لیے خالص حسن کا ایک دلکش بہشت پیدا کرنا جانتا ہے۔ خمارِ خواب سے لبریز احمریں آنکھیں، رخساروں کے عشرت آلود غازے، سرخ ہونٹوں پر تبسم کی ضیا، مرمریں ہاتھوں کی لرزشیں، مخملیں باہیں، رنگین پیرہن، دمکتے ہوئے رخسار اور جھلکتے ہوئے آنچل اس کی دنیا میں بار بار آتے ہیں۔ وہ انہی الفاظ کے مجموعے سے ایک حسینہ خیال کا مجسمہ تعمیر کر دیتا ہے۔''(۱۰)

مجھے دے دے
رسیلے ہونٹ، معصومانہ پیشانی، حسیں آنکھیں
کہ میں اک بار پھر رنگینیوں میں غرق ہوجاؤں
مری ہستی کو تیری اک نظر آغوش میں لے لے
ہمیشہ کے لیے اس دام میں [illegible]ط ہوجاؤں
ضیاءِ حسن سے ظلمات دنیا میں نہ پھر آؤں (۱۱)

اس کے بعد فیض اس رومان پرور ماحول سے باہر نکل آتا ہے۔ اس نے آرزؤں کے مقتل، بھوک اُگانے والے کھیت، خاک میں لتھڑے ہوئے اور خون میں نہائے ہوئے جسم اور بازار میں بکتا ہوا مزدور کا گوشت اور ناتواں کے نوالوں پر جھپٹے ہوئے عقاب کو دیکھ لیا ہے جسموں کی مایوس پکار سن لی ہے:

عاجزی سیکھی ، غریبوں کی حمایت سیکھی
یاس و حرمان کے ، دکھ درد کے معنی سیکھے
زیردستوں کے مصائب کو سمجھنا سیکھا
سرد آہوں کے ، رخِ زرد کے معنی سیکھے(۱۲)

جب کہیں بیٹھ کے روتے ہیں وہ بے کس جن کے
اشک آنکھوں میں بلکتے ہوئے سو جاتے ہیں
ناتوانوں کے نوالوں پہ جھپٹتے ہیں عقاب
بازو تو لے ہوئے منڈ لاتے ہوئے آتے ہیں(۱۳)

مندرجہ بالا بند نظم ''رقیب'' کے ہیں رقیب پر طنز وتحقیر کے تیر برسانا اردو اور فارسی کے شعراء کی دیرینہ روایت ہے۔ البتہ اس صدی میں یہ روایت متروک ہوتی گئی۔ چنانچہ ترقی پسند شاعروں میں رقیب کا تذکرہ کم کم ہے اور اگر ہے بھی تو مہر و وفا کے رشتوں کی ناپائیداری یا زمانے کے تغیرات کے حوالے سے ہے۔ فیض اپنی نظم ''رقیب'' میں رقیب سے یوں مخاطب ہیں:

آ کہ وابستہ ہیں اس حسن کی یادیں تجھ سے
جس نے اس دل کو پری خانہ بنا رکھا تھا
جس کی الفت میں بھلا رکھی تھی دنیا ہم نے
دہر کو دھر کا افسانہ بنا رکھا تھا(۱۴)

تجھ سے کھیلی ہیں وہ محبوب ہوائیں جن میں
اس کے ملبوس کی افسردہ مہک باقی ہے

تجھ پہ بھی برسا ہے اس بام سے مہتاب کا نور
جس میں بیتی ہو ئی راتوں کی کسک باقی ہے(۱۵)

جب شاعر کی سوچ میں تبدیلی آتی ہے اور اس کی شاعری کا رخ بدلتا ہے تب وہ اپنا محبوب دکھی عوام کو بناتا ہے۔ شاعر کی محبوبہ اس تبدیلی پر حیران ہوتی ہے۔ وہ اس سے اس تبدیلی کا سبب دریافت کرتی ہے تو شاعر کہتا ہے:

میرا دل غمگین ہے تو کیا
غمگین یہ دنیا ہے ساری(۱۶)

تو گر میری بھی ہو جائے
دنیا کے غم یونہی رہیں گے(۱۷)

فیض نے غم جاناں کو غم دوراں بنا دیا۔ انھوں نے پوری دنیا کے دکھوں کو اپنے دل میں جگہ دی۔ اس طرح ان کا تصور محبت وسیع سے وسیع تر ہو گیا:

اور بھی دکھ ہیں زمانے میں محبت کے سوا
راحتیں اور بھی ہیں وصل کی راحت کے سوا(۱۸)

فیض ''چند روز اور مری جان'' میں مظلوموں کو ان الفاظ میں حوصلہ دیتے ہیں:

چند روز اور مری جان! فقط چند ہی روز
ظلم کی چھاؤں میں دم لینے پہ مجبو ر ہیں ہم
اور کچھ دیر ستم سہہ لیں، تڑپ لیں، رولیں
اپنے اجداد کی میراث ہے معذور ہیں ہم(۱۹)

فیض کا پہلا مجموعہ کلام چھپ کر آیا تو اس نو آموز شاعر کے کلام کی ہر طرف دھوم مچ گئی۔ فیض نے اپنے کلام میں محبوب کے روائتی تصور سے انحراف کیا۔ ان کے بعد کئی ایک شاعروں حتیٰ کہ نثر نگاروں تک نے ان کے انداز اور تصورات کے پیروی کی۔ وزیر آغا اپنے ایک مضمون ''فیض اور ان کی شاعری'' میں رقم طراز ہیں:

''فیض نے نقش فریادی میں ایک ایسا نقطہ نظر پیش کیا ہے جو تین نمایاں عناصر سے مل کر مرتب ہوا ہے۔ ان میں سے پہلا عنصر رومانس ہے۔ حقیقت کی طرف پیش قدمی ہے۔ دوسرا عنصر حال کی صورت حال بالخصوص طبقاتی ناہمواری اور سیاسی سماجی استبداد کا شعور ہے۔ اور تیسرا عنصر امید ایک روشن مستقبل کی امید- فیض کی

شاعری انھی تین عناصر کے گرد گھوم رہی ہے۔ اور نقش فریادی میں
انھوں نے اس اجتہادی روش کا آغاز کیا۔'' (۲۰)

حوالہ جات

۱۔ ن۔م راشد، مقالات ن۔م راشد، مرتبہ: شیما مجید، کراچی: بک ٹائم، ۲۰۱۷ئ، ص: ۲۸۷
۲۔ محمد زکریا، خواجہ، مختصر تاریخِ ادبیات مسلمانان پاکستان و ہند، لاہور: پنجاب یونیورسٹی، ۲۰۱۶ئ، ص: ۶۰۶
۳۔ ایضاً، ص: ۶۰۵
۴۔ فیض، فیض احمد، نسخہ ہائے وفا، لاہور: مکتبہ کارواں، س ن، ص: ۱۹
۵۔ ایضاً، ص: ۲۲
۶۔ ایضاً، ص: ۴۰
۷۔ ایضاً، ص: ۴۱
۸۔ ایضاً، ص: ۴۴
۹۔ ایضاً، ص: ۵۳
۱۰۔ ن۔م راشد، مقالاتِ ن۔م راشد، مرتبہ: شیما مجید، ص: ۲۸۹
۱۱۔ فیض، فیض احمد، نسخہ ہائے وفا، ص: ۳۰
۱۲۔ ایضاً، ص: ۷۰
۱۳۔ ایضاً، ص: ۷۰
۱۴۔ ایضاً، ص: ۶۸
۱۵۔ ایضاً، ص: ۶۹
۱۶۔ ایضاً، ص: ۶۴
۱۷۔ ایضا، ص: ۶۵
۱۸۔ ایضاً، ص: ۶۱
۱۹۔ ایضاً، ص: ۷۵
۲۰۔ شاہد ماہلی، مرتبہ: فیض احمد فیض عکس اور جہتیں، مضمون نگار: وزیر آغا، مضمون کا عنوان: فیض اور ان کی شاعری، لاہور: ماورا پبلشرز، ۱۹۸۸ئ، ص: ۵۳

☆.....☆.....☆